فکر و نظر ---- اسلام آباد   جلد:۴۰   شمارہ:۲

کرنسی کے مسائل

شرعی نقطۂ نظر☆

ابنِ عابدین شامی کے رسالہ کا اُردو ترجمہ

☆ مترجم: حکیم اللہ

مصنف کا مختصر تعارف

مصنف کے بیٹے سیّد محمد علاء الدین آفندی ''تکملہ رد المختار'' میں اپنے والد کے حالاتِ زندگی بیان فرماتے ہیں۔ میرے والد صاحب (مرحوم) دمشق (شام) میں ۱۱۹۸ھ کو پیدا ہوئے۔ کم عمری میں قرآن کریم حفظ کیا اور اپنے والد کے کاروبار میں شریک ہوگئے۔ ایک دن وہ قرآن کریم پڑھ رہے تھے کہ ایک اجنبی شخص کا وہاں سے گزر ہوا، اس شخص نے انہیں قرآن کی تلاوت سے یہ کہہ کر منع کیا کہ آپ کی تلاوت کو لوگ نہیں سنتے اور یوں گنہ گار بن جاتے ہیں اور اس گناہ کا ذریعہ آپ بنتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ ترنم سے پڑھتے ہیں جو جائز نہیں۔ اس پر والد مرحوم نے کسی جیّد

☆ کرنسی کی قیمت میں اُتار چڑھاؤ، مختلف کرنسیوں کی یکساں چلت، کرنسی کے منسوخ یا اس کے تبدیل ہو جانے سے بہت سے لوگوں کو فائدہ اور بہت کو نقصان پہنچتا ہے کیوں کہ لوگ خریداری، قرضہ دینے اور لینے، مہر اور خدمات کی فراہمی جیسی صورتوں میں باہم معاملات کرتے ہیں اور اکثر و بیشتر ادائیگی مؤخر یا ادھار کی صورت میں ہوتی ہے۔ فقہاء نے ان مسائل کو نظرانداز نہیں کیا، قرونِ اولیٰ سے آج تک کے علماء نے ان اقتصادی مسائل پر شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں مفصل دلائل کے ساتھ اپنی آراء پیش فرمائی ہیں۔ تیرہویں صدی ہجری کے ایک مشہور حنفی فقیہ ابن عابدین شامیؒ نے بھی اس بارے میں ایک رسالہ مرتب کیا ہے جس میں مذکورہ بالا مسائل کے بارے میں قدیم فقہاء کے اقوال و آراء کو دلائل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جو بعد کے محققین کے لئے آسانی کا ایک قیمتی ذریعہ ہے۔

اس اہم اور قیمتی مجموعہ کو غیر عربی دان قانون دان، اقتصادی ماہرین اور دلچسپی رکھنے والے اُردو قارئین کی آسانی کے لئے اُردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

☆☆ ریسرچ اسکالر، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اکنامکس، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

قاری کی تلاش شروع کر دی، کسی نے شیخ سعید حموی کی نشان دہی کی تو والد مرحوم نے ان سے تجوید پڑھی۔ کم عمری میں ہی انہوں نے میدانیہ، الجزریہ اور شاطبیہ کو حفظ کیا اور مشق بھی کرتے رہے۔ تجوید کے بعد انہی استاد سے انہوں نے صرف نحو اور شافعی فقہ کی کتابیں پڑھیں اور کچھ کتابوں کو حفظ بھی کیا۔ بعد میں انہوں نے سیّد محمد شاکر سالمی حنفی استاد سے علومِ عقلیہ اور نقلیہ حاصل کئے اور شافعی مذہب چھوڑ کر حنفی مذہب اختیار فرما لیا اور حنفی فقہ اور اصولِ فقہ کی کتابیں پڑھتے رہے یہاں تک کہ استاد کی زندگی میں ہی علامہ بنے اور شرح منار پر صغریٰ اور کبریٰ نامی دو حواشی لکھے اور ایک کا نام **نسمات الاسحار علی افاضة الانوار** رکھا اور دوسرے کا نام مجھے یاد نہیں رہا، کیوں کہ وہ ایک مصری استاد شیخ تمیمی کے پاس سے لاپتہ ہوگیا۔

اس کے علاوہ انہوں نے بہت سی کتابیں اور مضامین بھی لکھے ہیں جن میں سے چند مشہور کے نام درج ذیل ہیں۔ جن میں سے سب سے زیادہ مشہور "**حاشیہ رَدُّالمُحتار علی ردّالمختار**" ہے۔

۱۔ **العقود اللآلی فی الاسانید العوالی**

۲۔ **شرح الکافی فی العروض والقوافی** جو ۱۲۱۵ھ میں لکھی گئی۔

۳۔ **رفع الاشتباہ عن عبارة الاشباہ.**

۴۔ **فتح رب الارباب علی لب الالباب شرح نبذة الاعراب**

یہ کتابیں تو والد مرحوم نے اپنے استاد کی زندگی میں لکھ دی تھیں جو ۱۲۲۲ھ کو فوت ہوئے اور ان دنوں والد مرحوم ان سے "بحر" اور "ہدایہ" مع شروح پڑھ رہے تھے۔ چنانچہ استاد کی وفات کے بعد ان کتابوں کی تکمیل انہوں نے اپنے استاد کے ایک بزرگ شاگرد شیخ محمد سعید حلبی سے حاصل کی اور اس کے بعد والد مرحوم نے **ردالمحتار علی الدر المختار** اور **العقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ** کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابیں بھی لکھ دیں:-

۱۔ **رفع الانظار عما اور درالحلبی علی الدر المختار**

۲۔ **حاشیہ بربیضاوی**

۳۔ **حاشیہ برالمطول**

۴۔ **حاشیہ بر شرح الملتقی**

۵۔ **حاشیہ بر النہر**

۶۔ **حاشیہ بر البحر**

۷۔ ایک ادبی مجموعہ

۸۔ ہم عصر علماء کا ایک تاریخی اور سوانحی مجموعہ

۹۔ شرح رسالة البرکوی فی المحیض والنفاس مسمّٰی به منهل الوار دین من بحار الفیض علی ذخر المتاهلین لمسائل الحیض

۱۰۔ شرح رسم المفتی والرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم فی الفرائض

۱۱۔ تنبیه الولاة والحکام

۱۲۔ مجموعۂ رسائل جو مختلف موضوعات پر کل ۳۲ رسائل پر مشتمل ہے۔

۱۳۔ مجموعۂ فتاویٰ

۱۴۔ اپنے استاد کی توصیف وتعریف پر مشتمل مقامات

۱۵۔ منظوم کنز

۱۶۔ میلادِ نبوی کا قصہ

ان کتابوں کے علاوہ حواشی، سوالات کے جوابات اور نازک موضوعات پر مشتمل بے شمار مسودات بھی ان کے ہاتھ سے لکھے گئے ہیں۔

والد مرحوم کا معمول تھا کہ تحریر کا کام رات میں کرتے اور اس طرح رات کو بہت کم سوتے جبکہ دن میں طلبہ کو درس دیتے، عام لوگوں کے مسائل کے جوابات دیتے اور اپنے کاروباری شریک سے معاملات نمٹاتے اور خود کاروبار نہ کرتے۔

رمضان میں ہر رات پورا قرآن غور وفکر کے ساتھ ختم کرتے اور رات کو پڑھنے اور رونے میں مگن رہتے اور ہر وقت باوضو رہتے۔ عام لوگوں پر مہربان رہتے اور علماء، طلبہ اور شریف لوگوں کی عزت اور مدد کرتے۔ عزت دار غریبوں کی مالی مدد کرتے اور علماء پر تنگ اور ان کا دفاع کرتے اور حکمرانوں سے اپنی بات منواتے۔ خدا خوفی کا حال یہ تھا کہ ایک دفعہ کوئی شخص ناجائز فتویٰ لینے کے لئے درہموں کے پچاس تھیلے لایا تو قبول نہ کئے۔

کتابوں کو درست کرنے کا بڑا اہتمام تھا، ان کے حاشیے پر اپنے نوٹس لکھتے۔ نہایت خوش خط اور سلیقہ مند تھے۔ کتابوں کی فہرست مضامین بھی تیار کرتے۔ ان کے پاس بہت بڑی ذاتی لائبریری تھی اور اکثر کتابیں انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھی تھیں۔ ان کے والد بھی ان کی پسندیدہ ہر کتاب ان کے لئے خریدتے رہے اور انہیں اجازت دی تھی کہ جو کتاب چاہو خریدو، ادائیگی میں کروں گا کیوں

کہ میں نے اپنے بزرگوں کی روایت دفن کر دی تھی جو تم نے واپس زندہ کر دی ہے اس کا اجر آپ کو اللہ تعالیٰ فرمائے۔ اور بزرگوں کی متروکہ کتابیں بھی ان کے حوالہ کر دی تھی، ان کے والد کا انتقال ۱۲۳۷ھ میں ہوا تھا۔ والد کی وفات کے بعد وہ ہر رات قرآن کریم اور دیگر وظائف پڑھ کر ثواب اپنے والد کو بخشواتے، ایک ماہ کے بعد خواب دیکھا کہ والد کہہ رہے ہیں کہ بیٹے آپ ہر رات جو خیرات بھیج رہے ہیں اس کا اجر آپ کو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے۔

اسی طرح والد مرحوم کی وفات بدھ کے روز ۲۱ ربیع الثانی ۱۲۵۲ھ کو ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر ۵۴ برس تھی اور انہیں دمشق کے قبرستان میں دفنایا گیا۔ انہوں نے وفات سے بیس روز قبل اپنے لئے قبر کھدوائی تھی جو شیخ علائی اور شیخ حبینی کی قبروں سے ملحقہ تھی۔

مذکورہ بالا مجموعہ رسائل میں ایک رسالہ کا تعلق کرنسی کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ، اس کے منسوخ ہو جانے یا رائج نہ رہنے سے متعلق مسائل سے ہے اس میں بڑی محنت کے ساتھ اسلاف علماء کے فتاویٰ اور کتابوں سے شرعی آراء کو جمع کیا گیا ہے۔ جو آج ہمارے لئے کرنسی کے مسائل کو شرعی نقطۂ نظر سے معلوم کرنے کا ایک جامع حوالہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

مقدمہ از مصنف:

اللہ تعالیٰ وحدہٗ کی حمد اور حضرت محمد ﷺ، ان کی آل و اصحاب اور تاقیامت اُن کے پیروانِ مخلصین پر بے شمار درود و سلام کے بعد عرض ہے کہ پیش نظر رسالے کو میں نے ''تنبیہ الرقود علی مسائل النقود۔ ابن عابدین شامی کے رسالہ کا اُردو ترجمہ'' کا نام دیا ہے۔ اس میں کرنسی کے متعلق جملہ مسائل جیسے منسوخ ہو جانے، نایاب یا کم یاب ہو جانے یا قیمت میں اتار یا چڑھاؤ آنے کے بارے میں علماء سلف کے اقوال و آراء کو یکجا کیا گیا ہے۔ نیز اس میں انصاف پسند اور سلیم الطبع علماء کی پسندیدہ آراء کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ اہلِ علم سے اُمید ہے کہ وہ میری فروگزاشت سے صرف نظر فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ سے ہی توفیق اور مدد کی دعا ہے۔

آغاز: فتاویٰ الولوالجیہ کے باب بیوع کی فصل پنجم میں کہا گیا ہے کہ کوئی شخص مقامی دراہم سے کپڑا خریدتا ہے اور قیمت کی ادائیگی سے قبل وہ دراہم تبدیل ہو جاتے ہیں تو اس کی دو صورتیں بن سکتی ہیں ایک یہ کہ ان دراہم کا بازار میں چلنا بالکل بند ہو جائے تو اس صورت میں وہ سودا فاسد ٹھہرے گا، کیوں کہ اس طرح کپڑے کی قیمت متعین نہیں رہتی، دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ وہ

دراہم چلتے تو ہوں مگر ان کی قیمت کم ہو جائے، تو ایسی صورت میں وہ سودا فاسد نہیں ٹھہرے گا، کیوں کہ اس طرح اس کپڑے کی قیمت ختم نہیں ہوتی لہذا بیچنے والے کو وہی دراہم ملیں گے اور اگر اس سے قبل وہ دراہم نایاب ہو جائیں تو خریدار کو ان دراہم کی دستیابی کے آخری دن میں سونے اور چاندی کی صورت میں ان کی قیمت دینی ہوگی۔ (یہ رائے زیادہ پسند کی گئی ہے) یہی بات اس کتاب کے باب صرف میں بھی کہی گئی ہے کہ کوئی شخص اگر خریداری کرے اور قیمت کی ادائیگی سے قبل وہ بند ہو جائیں تو یہ خریداری باطل ٹھہرے گی لیکن اگر وہ سکے دوبارہ چلنا شروع ہو جائیں تو پھر وہ خریداری فاسد نہیں ٹھہرے گی۔

قاضی ابونصیر حسین بن علی نے اپنی کتاب ''جواہر الفتاویٰ'' میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی معروف سکے سے کوئی چیز بیچ دے اور قیمت کی وصولی سے قبل وہ سکے بند ہو جائیں تو وہ سودا فاسد ٹھہرے گا اور پھر دیکھا جائے گا اگر وہ چیز خریدار کے پاس ابھی تک موجود ہو تو وہی چیز واپس کر دی جائے گی اور اگر کسی طرح وہ چیز اس کے پاس باقی نہ رہی ہو یا خریدار کے ہاتھوں اس چیز میں اضافی خوبی آ چکی ہو یا اس کی مقدار بڑھ گئی ہو مثلاً وہ چیز کپڑا ہو اور خریدار نے اس کی سلائی کی ہو یا وہ چیز دوسری شکل میں تبدیل ہوگئی ہو جیسے گندم کو آٹا بنایا گیا ہو یا سرسوں کو تیل بنایا گیا ہو یا وسمہ کو نیل میں تبدیل کر دیا گیا ہو تو ایسی صورت میں دیکھا جائے گا اگر وہ چیز مثلی ہو یعنی مکیل، موزوں یا تقریباً ایک جیسی عددی چیز ہو جیسے انڈے، اخروٹ وغیرہ ہوں تو اس جیسی چیز واپس کر دی جائے گی اور اگر وہ چیز مثلی نہ ہو بلکہ قیمی ہو جیسے کپڑا اور جانور وغیرہ تو پھر اس چیز کی اس دن والی قیمت دینی ہوگی جس دن وہ چیز خریدی گئی ہو اور اس کی قیمت خریداری والے دن میں موجود رائج سکے میں لگائی جائے گی۔ اگر خریداری کے بجائے عقد اجارہ میں ایسی صورت پیش آئے تو وہ اجارہ باطل ٹھہرے گا اور آجر کو اجرِ مثل ادا کرنا ہوگا اور اگر قرض یا مہر کے معاملات میں ایسی صورت پیش آئے تو مثل کی واپسی لازم ہوگی یہ سب فیصلے تو امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے مطابق ہیں جبکہ امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ صورتوں میں جس تاریخ کو معاملہ طے پایا ہوگا تو ان سکوں کی اسی تاریخ والی قیمت دینی ہوگی اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جس تاریخ سے وہ کرنسی نایاب ہوئی ہو۔ اس کی اسی تاریخ والی قیمت لگانی ہوگی۔ قاضی زاہدی فرماتے ہیں کہ مہر اور قرض میں تو امام ابویوسفؒ کی رائے پر فتویٰ دیا جاتا ہے مگر بقیہ تمام صورتوں میں امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔

''فتاویٰ تتارخانیہ'' کی فصلِ پنجم میں لکھا ہوا ہے کہ اگر کوئی مقامی دراہم سے کسی چیز کا سودا کر

لے اور ادائیگی سے قبل وہ دراہم تبدیل ہو جائیں تو بازار میں وہ دراہم اب نہ چلتے ہوں تو یہ سودا باطل ٹھہرے گا اور اگر چلتے ہوں مگر کم قیمت کے ساتھ تو سودا درست رہے گا۔

''فتاویٰ خانیہ'' میں لکھا ہوا ہے کہ بیچنے والے کو معروف دراہم لینے کا ہی حق ہے۔ امام ابویوسفؒ سے منقول ہے کہ اگر دراہم کی قیمت کم ہوگئی ہو تو بیچنے والے کو سودا منسوخ کرنے کا حق حاصل ہوگا اور اگر دراہم تبدیل نہیں بلکہ نایاب ہو گئے ہوں تو ان دراہم کی نایاب ہونے والے دن کی قیمت ادا کرنی ہوگی اور فتویٰ اسی طرح کا دیا جاتا ہے۔

''عیون المسائل'' میں لکھا ہوا ہے کہ سودے کے فاسد ہونے کی موجب دراہم کی رائج نہ رہنے والی صورت یہ ہے کہ یہ دراہم کہیں بھی رائج نہ رہے ہوں کیوں کہ ایسی صورت میں وہ دراہم ضائع ہو جاتے ہیں اور سودے کی قیمت ہی ختم ہو جاتی ہے لیکن اگر وہ دراہم صرف سودے والے علاقے میں رائج نہ رہے تو اس سے سودا فاسد نہیں ہوتا کیوں کہ اس طرح دراہم بے کار نہیں بلکہ صرف عیب دار ہو جاتے ہیں لہذا بیچنے والے کی مرضی ہوگی کہ وہ چاہے تو وہی دراہم قبول کر لے اور چاہے تو ان دراہم کی قیمت دیناروں میں وصول کر لے اس کی پوری تفصیل اسی کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔

''الذخیرۃ البرہانیہ'' کی فصل چہارم میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سکے کا چلنا بند ہو جاتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بازار سے کرنسی غائب ہو جاتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کی قیمت کم یا زیادہ ہو جاتی ہے تو پہلی صورت میں سودا باطل پڑے گا، دوسری صورت میں خریدار کو اس کے نایاب ہونے سے قبل والے دن کی قیمت دینی ہوگی اور قیمت بڑھ جانے کی صورت میں سودا بحال رہتا ہے اور خریدار کے پاس کوئی دوسرا اختیار نہیں رہتا اور اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ جبکہ قیمت کم ہو جانے کی صورت میں بھی سودا بحال رہتا ہے اور بیچنے والے کو کوئی دوسرا اختیار نہیں رہتا اور کرنسی کی بندش اور نایابی کے درمیان جو فرق میں نے واضح کیا ہے وہ گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مولانا محمد بن عبداللہ غزی تمر تاشی نے اپنے "بذل المجھود فی مسئلة تغیر النقود" (کرنسی کے تغیرات کے مسئلے پر مقدور بھر کوشش میں لکھا ہوا ہے کہ ''معلوم رہے کہ کوئی شخص اگر کسی چیز کا سودا رائج الوقت زیادہ کھوٹ والے دراہم یا فلوس سے کرے تو یہ سودا درست رہے گا کیوں کہ ان سکوں کو اصطلاحی ثمن کی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت نہیں رہتی لیکن قیمت کی ادائیگی اگر مؤخر ہو اور اس اثناء میں کرنسی بند ہو جائے تو یہ سودا باطل ٹھہرے گا

اور کرنسی کا نایاب ہونا اس کی بندش کی مانند رہتا ہے۔ خالص اور غیر ملاوٹی دراہم کے بارے میں بھی یہی فیصلہ ہے، چنانچہ ایسے دراہم سے اگر کوئی چیز خرید لی جائے اور وہ دراہم بند یا نایاب ہو جائیں تو سودا کالعدم ٹھہرے گا۔ اس لئے کہ مشکل تو صرف ادائیگی میں پیش آئی ہے اور اس سے سودا کا باطل ہو جانا ضروری نہیں ٹھہرتا۔ کیوں کہ کرنسی کے دوبارہ رائج ہو جانے سے یہ مشکل ختم بھی تو ہو سکتی ہے جیسے تازہ کھجوروں سے کوئی چیز خرید لی جائے اور تازہ کھجور نایاب ہو جائیں اور ادائیگی مشکل ہو جائے مگر اگلے سال نئی فصل آنے سے ادائیگی پھر ممکن ہو جائے لہذا اس صورت میں بھی چونکہ ادائیگی مشکل ہو گئی ہے لہذا ان کی قیمت کی ادائیگی کی جانی چاہئے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کس وقت والی قیمت لگائی جائے اس بارے میں امام ابویوسفؒ کی رائے میں سودے والے دن کی قیمت معتبر ہے جبکہ امام محمدؒ نے بندش سے قبل چلنے کے آخری دن والی قیمت کو ملحوظ رکھا ہے۔

''الذخیرۃ'' میں امام ابویوسفؒ کی رائے کو اور ''المحیط''، ''التتمہ'' اور ''الحقائق'' میں لوگوں کی آسانی کی خاطر امام محمدؒ کی رائے کو قابل فتویٰ قرار دیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی رائے کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ اس کرنسی کی ثمنیت محض ایک اصطلاحی چیز تھی اور ایسی اصطلاح کے باقی نہ رہنے سے اس کی یہ حیثیت ختم ہو چکی لہذا یہ سودا بے ثمن رہا، اس کے برعکس کھجوروں والی صورت اس سے مختلف ہے کیونکہ عموماً اگلے سال کھجوریں مل جاتی ہیں جبکہ تانبے کے سکے اگر بند ہو جائیں تو ان کی حیثیت محض تانبے کی ہی رہ جاتی ہے اور عموماً یہ سکے دوبارہ رائج نہیں کئے جاتے۔

کساد کا لفظ ''**المصباح**'' کے مطابق کَسَدَ سے بنا ہوا ہے جو قَتَلَ، یَقتُلُ کے وزن پر ہے اور اس کا مطلب کسی کرنسی میں لوگوں کی دلچسپی ختم ہو جانے سے اس کا نہ چلنا ہے۔ ایسی کرنسی کو کَاسد اور کَسِید کہا جاتا ہے اس لفظ کو بابِ افعال میں لے جانے سے اَکسَدَ کی صورت میں فعل متعدی بنایا جاتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے اَکسدہُ اللہ (اللہ تعالیٰ اُسے ناکارہ کر دے) کسدت السوق کا مطلب بازار ماند پڑا ہے۔ اور بازار کے لئے کاسد کا لفظ ''**الصحاح**'' کے مطابق اور کاسِدۃٌ کا لفظ ''التہذیب'' کے مطابق استعمال ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کساد میں فساد و بگاڑ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں کساد کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی سکے کی چلت کسی بھی علاقے میں باقی نہ رہے کیوں کہ اگر کسی علاقے میں یہ چلتا ہو تو پھر سودا ختم اور باطل نہیں ہوگا بلکہ سودے والے علاقے میں نہ چلنے سے یہ عیب دار ہو جاتا ہے لہذا بیچنے والے کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ چاہے تو اسے قبول کرے اور چاہے تو اس کی قیمت کو۔

انقطاع (نایابی) کا مطلب یہ ہے کہ وہ بازار میں نایاب ہو جائے خواہ وہ ساہوکاروں (Money Changers) کے ہاں یا گھروں میں مل بھی سکتے ہوں۔ ''ہدایہ'' میں اسی طرح لکھا ہوا ہے۔ مگر بہت سی کتابوں میں انقطاع کو کساد کی مانند قرار دیا گیا ہے اور ''مضمرات'' میں لکھا ہوا ہے کہ اگر کوئی سکہ نایاب ہو جائے تو سونے اور چاندی میں اس کی دستیابی کے آخری دن والی قیمت لگا دی جائے، یہ بات زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور ''الذخیرۃ'' میں لکھا ہوا ہے کہ انقطاع کا مطلب یہ ہے کہ وہ بازار میں نہ ملے اگرچہ ساہوکاروں کے ہاں اور گھروں میں مل جاتے ہوں، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ساہوکاروں کے ہاں اگر ملے سکتے ہوں تو یہ منقطع (نایاب) نہیں سمجھے جائیں گے مگر پہلی والی رائے کو زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔ یہ سارا اقتباس علامہ غزی کے رسالے سے لیا گیا ہے۔

''الذخیرۃ البرھانیۃ'' میں ایک لمبی تفصیل کے بعد لکھا ہوا ہے ''کہ یہ حکم اس صورت کا ہے جب دراہم یا فلوس ادائیگی سے قبل کھوٹے ہو جائیں لیکن اگر ان کی قیمت بڑھ جائے تو سودا بحال اور درست رہے گا اور خریدار کو کوئی دوسرا اختیار حاصل نہ ہوگا اور اگر ان کی قیمت کم ہو جائے تو بھی سودا درست اور بحال رہے گا اور سودے کی تاریخ والی قیمت کے مطابق دراہم لینے کا مطالبہ بیچنے والا کر سکے گا۔ ''المنتقی'' میں لکھا ہوا ہے کہ وصولی سے قبل اگر فلوس کی قیمت زیادہ یا کم ہو جائے تو امام ابویوسفؒ کا کہنا ہے کہ اس بارے میں امام ابو حنیفہؒ کی رائے اور میری رائے ایک ہے۔ یعنی بیچنے والے کو صرف وہی فلوس لینے کا حق ہوگا مگر بعد میں امام ابویوسفؒ نے یہ رائے بدل دی اور فرمایا کہ خریدار کو ادائیگی ان فلوس کی قیمت دراہم میں سودے والے دن یا وصولی والے دن میں لگانی ہوگی اور کساد یعنی کھوٹا ہو جانے کا یہی فیصلہ انقطاع یعنی نایاب ہو جانے کا بھی ہے اور یاد رہے کہ سودے والے دن سے مراد خریداری والی صورت ہے اور وصولی والے دن سے مراد کوئی دیگر واجبات کی وصولی کرنے والی صورت ہے جیسا کہ النہر میں اس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انقطاع یعنی نایاب ہونے کے بارے میں دو آراء ہیں ایک کے مطابق سودا باطل اور ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ کساد یعنی کھوٹا ہونے کی صورت میں ہوتا ہے۔ اور دوسری کے مطابق سودا درست مگر اس کی قیمت دینی لازم ٹھہرتی ہے اور دستیابی کے آخری دن والی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا اور اسی رائے کو اختیار اور پسند کیا گیا ہے جیسا کہ ''المضمرات'' کے حوالے سے پہلے بتا دیا ہے۔ کرنسی کی قیمت زیادہ یا کم ہونے کے بارے میں بھی اسی طرح دو آراء پائی جاتی ہیں، ایک کے مطابق بیچنے والے کو طے کردہ فلوس کے سوا اور کچھ لینے کا حق نہیں، اور دوسری رائے یہ ہے

کہ سودے کے دن والی ان فلوس کی قیمت لینے کا حق بیچنے والے کو حاصل ہوگا۔ اور فتوی اس کا دیا جاتا ہے جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔ علامہ غزی نے مذکورہ بالا گفتگو کے بعد لکھا ہے کہ یہ حکم اس صورت کا ہے جب یہ سکے کھوٹے یا نایاب ہو جائیں لیکن ان کی قیمت زیادہ یا کم ہونے کی صورت میں سودا بحال رہتا ہے اور خریدار کو دوسرا اختیار نہیں ہوگا۔ بلکہ اس سے سودے کے دن والی معیاری قیمت کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اسی طرح ''فتح القدیر'' میں لکھا ہوا ہے اور ''البزازیہ'' میں ''المنتقی'' کے حوالے سے لکھا ہوا ہے کہ فلوس کی قیمت زیادہ یا کم ہو جائے تو امام ابوحنیفہؒ کی حتمی اور امام ابویوسفؒ کی پہلی والی رائے کے مطابق خریدار کی ذمہ داری انہی فلوس کے سوا کچھ نہیں ہوگی مگر امام ابو یوسفؒ کی بعد والی رائے کے مطابق خریدار سودے کے دن اور وصولی کے دن والی معیاری قیمت کو دراہم کی صورت میں ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ اور فتویٰ اسی کے مطابق دیا جاتا ہے۔ الذخیرة اور ''الخلاصة'' میں بھی المنتقی کے حوالے سے یوں ہی لکھا ہوا ہے اور ہمارے استاد نے بھی اس کو ''البحر'' میں نقل کر کے اسی کی تائید کر دی ہے چنانچہ انہوں نے فرمایا ہے کہ بہت سے باوثوق کتابوں میں اسی کا فتویٰ دیا گیا ہے، لہذا ضروری ہے کہ فتویٰ دیتے وقت اور فیصلہ سناتے وقت مفتی اور قاضی اسی کو ملحوظ رکھے کیوں کہ مفتی اور قاضی کے لئے لازم ہے کہ وہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کی آراء میں سے جو زیادہ وزنی رائے ہو اسی کو ترجیح دے اور کم وزنی رائے کو نہ لیں۔ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہوا ہے کہ خریدار کو لازماً اس چیز کی مثل دینی ہوگی اور اسبیجابی نے اسی کا تذکرہ کرکے کہا ہے کہ قیمت کو ملحوظ نہیں رکھا جائے گا۔

''البزازیہ'' میں لکھا ہوا ہے کہ اجارہ خرید و فروخت کی مانند ہے اور قرض بھی اسی طرح ہے اور مہر کے بارے میں ان دراہم کی قیمت دینی ہوگی مجمع الفتاویٰ میں ''المحیط'' کے حوالے سے لکھا ہوا ہے کہ عدالی کی قیمت کم ہو جانے کی صورت میں جناب امام اعظمؒ کا کہنا یہ ہے کہ اس کمی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ سودے میں جو کچھ دراہم طے ہوئے ہوں انہی کا مطالبہ خریدار سے کیا جائے گا اور قرض کا حکم بھی یہی ہے۔ اگر کرنسی رائج تو ہوں مگر اس کی قیمت کم ہو جائے تو سودا ختم نہیں ہوگا اور بیچنے والے کو وہی کرنسی ہی ملے گی۔ امام صاحب کا فتویٰ اسی طرح کا ہوتا تھا۔ قاضی ظہیر الدین کا فتویٰ یہ ہے کہ سودے کے دن والی معیاری قیمت والے دراہم کا مطالبہ خریدار سے کیا جائے گا اور جتنا فرق پڑ گیا ہو وہ اس سے نہیں لیا جائے گا اور قرض کا حکم بھی یہی ہے اور انقطاع (نایابی) اور کساد (کھوٹا ہونا) دونوں ایک برابر ہیں۔

اگر آپ پوچھیں کہ یہ بات تو مجمع الفتاویٰ کی اس بات سے ٹکراتی ہے کہ کرنسی کی قیمت زیادہ یا

کم ہو جائے تو خریدار بالاتفاق مثل دینے کا ہی ذمہ دار ہوتا ہے تو میں کہوں گا کہ یہ اعتراض صحیح نہیں اس لئے کہ امام ابویوسف ؒ کی پہلی رائے امام ابوحنیفہ ؒ کی رائے کے مطابق تھی لیکن بعد میں انہوں نے یہ رائے چھوڑ کر کہا کہ اس کرنسی کی قیمت دینا اس پرلازم ہے جیسا کہ بزازیہ، الخلاصہ اور الذخیرہ کے حوالوں سے بتا چکا ہوں، اس لئے ظاہر ہے کہ اتفاق والی بات اس پر مبنی ہے کہ شروع میں ابویوسف ؒ، ابو حنیفہ ؒ کے ہم رائے تھے۔ بہرحال اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ میں نے اپنے اسلاف کی بہت سی بااعتماد کتابوں کو چھان مارا مگر کہیں بھی امام ابوحنیفہ ؒ کی رائے کے مطابق کسی کا فتویٰ نہ پاسکا بلکہ سب یہی کہتے رہے ہیں کہ قاضی ابو یوسف ؒ صاحب یہی فتوی دیا کرتے تھے اور امام ابو یوسف ؒ کی رائے کے مطابق بہت سی بااعتماد کتابوں میں فتوے دیئے گئے ہیں لہذا اسی کا سہارا لینا چاہئے یہاں تک علامہ غزی ؒ کی بات پوری ہو جاتی ہے بعد میں علامہ غزی ؒ نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے فتویٰ اور فیصلے دینے کے بارے میں اپنی طویل گفتگو میں ایسی صورتیں بتا دی ہیں جہاں امام ابوحنیفہ ؒ کی رائے کچھ اور ان کے شاگردوں ابو یوسف ؒ اور محمد ؒ کی رائے کچھ اور ہے۔ یا آخر تک دونوں میں سے ایک کی رائے ابوحنیفہ ؒ کی رائے کے مطابق برقرار رہی ہے اور غزی نے ان صورتوں میں ابویوسف ؒ کی بعد والی رائے کی تائید کی ہے مگر اپنی کتاب ''تنویر الابصار'' میں کساد کی صورت میں قرض اور سودے کے بارے میں انہوں نے ابوحنیفہ ؒ کی پیروی کی ہے، چنانچہ قرض کی فصل میں لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی سے رائج فلوس یا عدالی درہم قرض لے اور وہ بعد میں وہ کھوٹے ہو جائیں تو اسے اسی طرح کے کھوٹے فلوس یا عدالی لوٹانے ہوں گے نہ کہ ان کی قیمت اور صرف کی فصل میں انہوں نے بھی تنویر الابصار میں اور اس کتاب کے شارح علاء الدین نے بھی لکھا ہے کہ کوئی شخص اگر زیادہ کھوٹ والے رائج دراہم یا رائج فلوس سے کوئی چیز خرید لے اور بعد میں وہ کھوٹے یا بند ہو جائیں تو یہ سودا ختم اور باطل قرار پائے گا اور اگر یہ سکے نایاب ہو جائیں تو ان کا حکم بھی کھوٹے اور بند سکوں والا ہوگا۔ یہی حکم دراہم کا بھی ہے اگر وہ نہ چلیں یا نایاب ہو جائیں تو سودا باطل اور ختم قرار پائے گا۔ جبکہ ابویوسف ؒ اور محمد ؒ نے اس سودے کو درست قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ان دراہم کی قیمت ادا کرنی ہوگی اور فتویٰ اسی کا دیا جاتا ہے تاکہ لوگوں کے لئے آسانی ہو۔ بحوالہ ''البحر'' اور ''الحقائق'' بیچی ہوئی چیز کی قیمت والے الفاظ کے بجائے کھوٹے سکوں کی قیمت والے الفاظ زیادہ صحیح ہیں جیسا کہ کچھ لوگوں نے اس کی طرف توجہ دلائی ہے اور سابقہ تفصیلات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور قیمت کی زیادتی یا کمی کے مسئلے کو غزی ؒ نے نہیں چھیڑا ہے۔

پھر یہ بھی معلوم رہے کہ ان لوگوں کی گفتگو پر غور کرنے سے بھی یوں لگتا ہے کہ اس ساری

گفتگو کا تعلق فلوس اور زیادہ کھوٹ والے دراہم سے ہے یہ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض موقعوں پر ان کے الفاظ فلوس تک محدود ہیں اور بعض پر فلوس کے ساتھ عدالی کو ملایا گیا ہے اس لئے کہ عَدَالی ''بنایہ'' کے حوالہ سے ''البحر'' کے مطابق ایسے دراہم ہیں جو عدل کی طرف منسوب ہیں اور گویا یہ کسی بادشاہ کا نام رہا ہے۔ جس کی طرف کھوٹ والے دراہم منسوب ہیں اسی طرح میں نے زیادہ کھوٹ والے الفاظ بھی ''غایۃ البیان'' میں دیکھے ہیں اور ''التنویر'' کی شرح میں بھی اسی طرح کے الفاظ استعمال کیئے گئے ہیں۔ یہ بات ان لوگوں کے اس استدلال سے بھی معلوم ہوتی ہے جو انہوں نے اختلاف بتلانے کے بعد ابوحنیفہؒ کی رائے کے حق میں پیش کیا ہے کہ کھوٹا ہونے سے ثمنیت ختم ہو جاتی ہے کیوں کہ زیادہ کھوٹ والے دراہم تو اصطلاحی ثمن ہوتے ہیں اور لوگ اگر ان کا استعمال چھوڑ دیں تو یہ اصطلاح ختم ہو جاتی ہے لہذا یہ بطور ثمن باقی نہیں رہتے اور یوں سودا بلاثمن بن جاتا ہے لہذا وہ غلط ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کرنسی کی قیمت میں کمی بیشی والے ان کے الفاظ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں کیوں کہ قیمت میں کمی یا بیشی تو تب آتی ہے جب کھوٹ زیادہ ہو اور دوسری کرنسی میں ان کی قیمت لگائی جائے نیز ان کے اس اختلاف سے (کہ مثل کا لوٹانا لازم ہے یا کہ قیمت کا) بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیوں کہ جہاں کھوٹ نہ ہو وہاں ان کے اس اختلاف کی گنجائش ہی نہیں ہوتی کیوں کہ پھر تو سب کے نزدیک مثل کا لوٹانا ہی لازم ہوتا ہے یہ ہماری بات کا گویا واضح ثبوت ہوا۔ ہدایہ میں زیادہ کھوٹ والے دراہم پر گفتگو کے دوران کہا گیا ہے کہ ایسے دراہم سے اگر کوئی چیز خرید لی جائے اور بعد میں وہ دراہم کھوٹے ہو جائیں اور لوگ ان کا استعمال چھوڑ دیں توابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ سودا ختم اور باطل ہوگا اور ابویوسفؒ کے نزدیک اسے ان دراہم کی سودے کے دن والی قیمت ادا کرنی ہوگی اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ کھوٹا ہونے سے پہلے اور چلت کے آخری دن والی قیمت دینی ہوگی۔

اس کے علاوہ ہدایہ میں لکھا ہوا ہے کہ جب رائج فلوس سے کوئی چیز بیچ دی جائے اور وہ فلوس کھوٹے ہو جائیں تو یہ سودا ابوحنیفہؒ کے نزدیک باطل ٹھہرے گا جبکہ ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک نہیں یہ اسی طرح کا اختلاف ہے جو اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور اگر کوئی شخص کسی سے فلوس قرض لے اور وہ کھوٹے ہو جائیں تو اسے ان ہی جیسے فلوس لوٹانے ہوں گے۔ غایۃ البیان میں لکھا ہوا ہے کہ کساد کی قید قیمت کی کمی بیشی سے بچنے کے لئے لگا دی گئی ہے کیوں کہ اسبیجابی نے طحاوی کی شرح میں لکھا ہے کہ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ فلوس اگر کھوٹے نہ ہو جائیں بلکہ ان کی قیمت زیادہ یا کم ہو جائے تو اسے تعداد کے اعتبار سے اتنے ہی فلوس دینے ہوں گے جتنے اس

نے لئے ہوں گے اور ابوالحسن نے لکھا ہے کہ ابوحنیفہؒ سے اس کے سوا کوئی روایت منقول نہیں کہ قرض لئے گئے فلوس اگر کھوٹے ہو جائیں تو انہی کی طرح کے فلوس لوٹانے ہوں گے۔

ابویوسفؒ کا کہنا ہے کہ جس دن مذکورہ قسم کے دراہم یعنی بخاری، طبری اور یزیدی قسم کے دراہم قرض لئے ہوں تو ان دراہم کی اسی دن والی قیمت سونے میں لگا کر لوٹانی ہوگی اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ان دراہم کی چلت کے آخری دن والی قیمت سونے میں لگا کر لوٹانی ہوگی۔ قدوریؒ فرماتے ہیں کہ فلوس کے قرض کے بارے میں جب ابوحنیفہؒ کی مذکورہ رائے معلوم ہو چکی تو چونکہ بخاری دراہم ایک طرح کے فلوس ہوتے ہیں اسی طرح طبری اور یزیدی بھی ایسے دراہم ہیں جن میں کھوٹ زیادہ ہوتی ہے لہذا یہ سب بھی فلوس کے دائرے میں آتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ابویوسفؒ نے ان کو فلوس سے ملایا ہے۔ ''غایۃ البیان'' کی ساری گفتگو کا خلاصہ یہی ہے۔ ''الذخیرہ'' میں قرض کے بارے میں جو کچھ بتا دیا گیا ہے خرید و فروخت کے بارے میں بھی فیصلہ وہی ہے جیسا کہ ''الذخیرہ'' کی اس بات سے (کہ جس دن سودا کیا گیا ہو)، یہ صاف واضح ہوتا ہے کہ گفتگو زیادہ کھوٹ والے دراہم اور فلوس کے بارے میں ہو رہی ہے اور ولوالجیہ، اور جواہر الفتاویٰ کی مذکورہ بالا مجمل بات کا مطلب بھی یہی لیا جاتا ہے۔ اسبیجابی سے منقول اجماع کا دعویٰ الذخیرہ کے حوالہ سے المنتقی کی بات سے ٹکراتا ہے اور دونوں کا فرق آپ کو غزی کی باتوں سے معلوم ہو چکا۔ میں ایک اور توجیہ بھی اس کی بتا دوں گا۔ اب تک کی گفتگو سے خالص یا کم کھوٹ والی کرنسی کا حکم معلوم نہ ہو سکا یوں لگتا ہے کہ ان کے کھوٹے اور نایاب ہونے کے امکان کے کم ہونے کی وجہ سے علماء نے انہیں نہیں چھیڑا ہے مگر چونکہ ہمارے دور میں ان کی قیمت میں اتار چڑھاؤ کثرت سے واقع ہوتا ہے اس لئے ان کے بارے میں بتانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ بہتر تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے مگر اب تک میرے مطالعہ میں ایسا کوئی شارح نہیں آیا ہے جس نے اس کی طرف توجہ دلائی ہو۔ البتہ قید لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ کھوٹ سے پاک دراہم یا کم کھوٹ والے دراہم کا حکم یہ نہیں اور میں نے دیکھا کہ البحر کی اس بات پر (کہ دراہم کا حکم بھی یہی ہے) خیرالدین رملی نے اپنا یہ حاشیہ لکھا ہے ''کہ میرے خیال میں اس سے مراد کم کھوٹ والے دراہم ہیں''۔ لیکن جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ یہ حکم زیادہ کھوٹ والے دراہم اور فلوس تک اس لئے محدود نہیں رہتا کہ ان دونوں کا نام لیا جائے اور کھرے دراہم کو چھوڑ دیا جائے کیوں کہ عموماً زیادہ کھوٹ والے دراہم اور فلوس ہی کھوٹے بنتے ہیں لہذا اس پر آپ بھی غور کرلیں۔ پھر اس نے اس بارے میں ابوحنیفہؒ کی رائے کی وجہ مذکورہ طریقے سے ''فتح القدیر'' کے حوالہ سے بیان کی ہے۔ ''کہ میرے خیال میں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے

دراہم کا حکم زیادہ کھوٹ والے دراہم اور فلوس سے مختلف ہے''۔ یعنی ان کے کھوٹے ہو جانے سے سودا باطل نہیں ہوتا کیوں کہ یہ قدرتی ثمن کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ ان کی قیمت کم ہو جائے تو کیا قرض دار یا خریدار ان کی مثل لوٹائے گا یا کہ ان کی قیمت تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو یقیناً مثل لوٹائے گا مگر فلوس پر قیاس کرنے کا تقاضا تو یہ ہے کہ امام ابویوسفؒ کے نزدیک چیز وصول کرنے والے دن اور امام محمدؒ کے نزدیک کھوٹے ہو جانے سے ایک دن پہلے والی قیمت دینی ہوگی لہذا یہ موقع تحقیق طلب ہے رملی کا البحر کے الفاظ میں مذکور لفظ ''دراہم'' سے کم کھوٹ والے دراہم مراد لینا قابل غور ہے کیوں کہ ایسا نہیں بلکہ ان سے مراد زیادہ کھوٹ والے ہی ہیں جیسا کہ پہلے بتا چکا ہوں اور جیسا کہ ہدایہ کے شارحین اور دیگر علماء نے بھی صراحت سے بتا دیا ہے۔ اور دل کو زیادہ لگنے والی بات یہ ہے کہ کم کھوٹ والے یا خالص دراہم کی قیمت اگر کم یا زیادہ ہو جائے تو سودا یقیناً ختم اور باطل نہیں ہو جاتا اور معاملے میں جن دراہم کا ذکر ہو صرف اور صرف وہی دینے ہوں گے کیوں کہ ایسے دراہم قدرتی ثمن بھی ہیں اور اصطلاحی بھی اور کم کھوٹ کو، کھوٹ نہ ہونے کے برابر سمجھا جاتا ہے اور ان کے بارے میں ابویوسفؒ کا اختلاف بھی نہیں۔ اس کے علاوہ کچھ علماء نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ قیمت میں اتار یا چڑھاؤ کی صورت میں امام ابویوسفؒ کا اختلاف صرف فلوس تک محدود ہے اور زیادہ کھوٹ والے دراہم کے بارے میں ابویوسفؒ کا کوئی اختلاف نہیں۔ اس طرح ابویوسفؒ کے بارے میں اختلاف اور اتفاق کی متضاد روایتوں کو جوڑا جا سکتا ہے۔ یہ جوڑ غزیؒ کی مذکورہ بالا جوڑ سے زیادہ بہتر ہے اور علماء کی ان عبارتوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے لہذا جہاں زیادہ کھوٹ والے دراہم سے سودا لینے کے بارے میں یہ اجماعی فیصلہ ہے کہ وہی دراہم دینے ہوں گے اور ''الخلاصہ'' وغیرہ میں جو لکھا ہوا ہے وہی زیادہ صحیح ہے، اسی بات کو ابوالسعود نے ملا مسکین کے حاشیے پر اپنے استاد سے نقل کیا ہے اور ان کے الفاظ میں کساد کی قید لگائی گئی ہے کیوں کہ ادائیگی سے قبل اگر دراہم کی قیمت کم ہو جائے تو سودا بالاتفاق بحال رہتا ہے اور بیچنے والے کو دوسرا اختیار نہیں دیا جاتا اور قیمت زیادہ ہونے کا حکم بھی یہی ہے اور خریدار کو دوسرا اختیار نہیں دیا جاتا۔ ''الخلاصہ'' اور ''البزازیہ'' میں لکھا ہوا ہے کو فلوس کی قیمت زیادہ ہو جائے یا کم تو امام ابوحنیفہؒ کی رائے اور امام ابویوسفؒ کی بعد والی رائے یہ ہے کہ ان فلوس کی سودے کے دن والی قیمت دینی ہوگی اور فتویٰ اسی کے مطابق دیا جاتا ہے۔ یعنی (فلوس کی قیمت سودے کی صورت میں سودے کے دن اور دیگر وصولی کی صورت میں وصولی کے دن والی قیمت) دینی ہوگی۔ اور ''النہر'' میں اسی طرح لکھا ہوا ہے۔ اور معلوم ہو کہ ابوالسعود کے درج بالا کلام میں موجود اشارہ زیادہ کھوٹ والے

دراہم کی طرف ہے اس بناء پر اس کا یہ تقاضا (کہ قیمت کے اتار چڑھاؤ میں بالاتفاق مثل کا لوٹانا ضروری ہے) ''خلاصہ'' اور ''بزازیہ'' سے منقول اس اختلاف کے منافی نہیں جو قیمت کے اتار چڑھاؤ کی صورت میں مثل یا قیمت ادا کرنے کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

ہمارے استاد نے دونوں روایتوں میں موجود منافات میں اس طرح کی تطبیق کی طرف جو اشارہ دیا ہوا ہے یہ اس کا خلاصہ ہے ہمارے استاد فرماتے ہیں کہ زیادہ کھوٹ والے دراہم کا حکم معلوم ہونے کے بعد کم کھوٹ والے دراہم کا حکم معلوم کرنا اور آسان ہوگیا کہ قیمت کم ہونے پر بیچنے والے کو بالاتفاق اختیار نہیں رہتا اور اسے صرف وہی دراہم ملیں گے جن سے سودا ہوا ہو اسی طرح اگر ان کی قیمت زیادہ ہو جائے تو خریدار کو بالاتفاق وہی دینے پڑیں گے اور اسے دوسرا کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ ہمارے استاد فرماتے ہیں کہ آپ یہ نہ سمجھیں کہ ابویوسفؒ کا اختلاف ہر صورت میں موجود ہے یہاں تک کہ یہ شریفی بندقی، محمدی، کلبی اور پونڈ وغیرہ سونے اور چاندی والے سکوں تک میں موجود ہے۔ بلکہ جو کوئی ان میں سے کسی ایک کا حق دار بنتا ہے اسے بالاتفاق وہی سکے ملیں گے، کیوں کہ ایسا سمجھنا صریح غلطی ہوگی۔ یہ غلط فہمی فلوس اور نقود کے درمیان فرق نہ سمجھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ حاشیہ کی بات یہاں پر ختم ہوگئی۔ یہ ایک ایسی خوب صورت بات ہے جو ہر سمجھدار اور جاننے والے پر عیاں ہے اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ خیر الدین رملی والی بات مناسب نہیں لہذا آپ بھی اس پر غور کریں۔

یہ سکے ہمارے دور کے انگریزی پونڈ اور سونے کے پرانے سکے کی مانند ہیں لہذا اگر ان سے کوئی سودا خریدے اور پھر ان کی قیمت کم یا زیادہ ہو جائے مثلاً بیس پونڈ یا بیس پرانے سکے سے کپڑا بیچے یا مثلاً بیس پونڈ یا بیس پرانے سکے کسی سے قرض لے اور ان کی قیمت کم یا زیادہ ہو جائے تو وہی بیس پونڈ یا پرانے سکے دینے ہوں گے۔ کھوٹا ہونے اور نایاب ہونے کی صورت میں بظاہر تو یوں لگتا ہے کہ اگر کسی ایک کرنسی کا نام لیا ہو تو یہ سودا بحال اور درست رہے گا کیوں کہ علماء نے زیادہ کھوٹ والے دراہم کے بارے میں تین آراء نقل کی ہیں ایک امام ابوحنیفہؒ کی ہے کہ یہ سودا باطل اور غلط ہے، دوسری امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کی ہے کہ یہ سودا درست اور صحیح ہے اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی رائے بھی یہی ہے البتہ امام ابویوسفؒ کہتے ہیں کہ سودے کے دن والی قیمت دینی ہوگیاور امام محمدؒ نایابی والے دن کی قیمت کے قائل ہیں اور الذخیرہ میں امام ابویوسفؒ کی رائے کو قابل فتویٰ قرار دیا گیا ہے جبکہ ''التتمہ''، ''المختار'' اور ''الحقائق'' میں امام محمدؒ کی رائے کو لوگوں کی آسانی کی خاطر قابل فتویٰ قرار دیا گیا ہے۔ فتح القدیر میں اسی طرح لکھا ہوا ہے۔ اور انہوں نے امام

ابوحنیفہؒ کی رائے کے لئے دلیل یہ دی ہے کہ کساد کی وجہ سے ثمنیت ختم ہو جاتی ہے چوں کہ زیادہ کھوٹ والے دراہم اور فلوس قدرتی نہیں بلکہ محض اصطلاحی کرنسی ہے لہذا اصطلاح کے خاتمے سے اس کی ثمنیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے لئے یہ دلیل دی ہے کہ کساد سے سودا بالاتفاق باطل نہیں ہو جاتا جیسے کوئی تازہ کھجور سے کوئی چیز خریدے اور وہ کھجور ناپید ہو جائیں تو سودا بالاتفاق باطل نہیں ٹھہرتا بلکہ یا تو ان کی قیمت دینی پڑی ہے اور یا پھر اگلے موسم کا انتظار کرنا پڑتا ہے تو یہاں بھی اسی طرح ہونا چاہیے۔ لہذا پیش نظر مسئلے میں بھی کساد سودے کے باطل ہو جانے کا بالاتفاق سبب نہیں بنتا۔ یہ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کی رائے کے لحاظ سے تو صاف واضح ہے اور امام ابو حنیفہؒ کی رائے کے لحاظ سے اس طرح کہ ابوحنیفہؒ تو اس لئے اس معاملے کو فاسد سمجھتے ہیں کہ یہ دراہم و فلوس قدرتی نہیں بلکہ اصطلاحی کرنسی ہے اور اصطلاح جب نہ رہی تو ان کی ثمنیت بھی ختم ہوگئی اور یہ محض اپنی دھاتی حیثیت میں آ گئے لیکن اس صورت میں تو یہ سب کچھ نہیں پایا جاتا اس لئے کہ یہ دراہم قدرتی کرنسی بھی ہیں اور اصطلاحی بھی۔

چونکہ یہ بات میں نے کہیں پڑھی نہیں بلکہ مجھے خود سوجھی ہوئی ہے لہذا آپ اس پر غور کریں (نوٹ) اگر کسی متعین کرنسی سے خریداری کی جائے تو بات واضح ہے لیکن اگر خریداری مبہم کرنسی سے کی جائے جیسے کہا جائے کہ سو پونڈ یا سو سونے کے سکے سے خریدتا ہوں تو دیکھا جائے کہ اگر وہاں صرف ایک قسم کے پونڈ یا سونے کے سکے پائے جاتے ہوں تو جو زیادہ استعمال ہو رہے ہوں انہیں مراد سمجھا جائے کیوں کہ زیادہ معروف کو اپنانا چاہیے اور انہیں ہی متعین سمجھنا چاہیے اور اگر سب ایک جیسے استعمال ہو رہے ہوں تو پھر دیکھا جائے اگر مالیت ایک جیسی نہیں تو معاملہ کو فاسد سمجھا جائے بشرطیکہ سودے کے موقع پر وضاحت نہ ہوئی ہو اور دوسرا فریق بھی اس پر راضی نہ ہوا ہو۔

البحر میں لکھا ہوا ہے کہ مطلب یہ ہوا کہ مسئلہ کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں اس لئے کہ یا تو سب اقسام کی مالیت اور چلت ایک جیسی ہوگی یا مختلف اور یا پھر ثمن کی مالیت اور چلت میں سے ایک میں مساوات اور دوسری میں تفاوت ہوگا تو ان چھاروں میں سے ایک ہی صورت میں معاملہ فاسد ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ چلت میں ایک جیسے ہوں مگر مالیت ایک جیسی نہ ہو جبکہ بقیہ تینوں صورتوں میں معاملہ درست رہتا ہے۔ جہاں رواج (چلت) اور مالیت مختلف ہو وہاں زیادہ چلت والے کو ترجیح ہوگی اور جہاں مالیت میں برابر اور رواج میں مختلف ہوں وہاں بھی زیادہ رائج کو ترجیح ہوگی اور جہاں دونوں لحاظ سے برابر ہوں صرف نام کا اختلاف ہو جیسے مصری اور دمشقی، تو وہاں اختیار دیا جائے گا کہ جس صورت میں چاہے ادائیگی کرے۔ یہاں تک کہ بیچنے والا اگر ایک پر اصرار بھی کرے پھر بھی خریدار

دوسری کرنسی میں ادائیگی کر سکتا ہے۔ کیوں کہ بلاوجہ خریدار سے ادائیگی کو وصول نہ کرنا بیچنے والے کی ہٹ دھرمی اور ضد شمار ہوگی۔

اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ لین دین میں کرنسی متعین نہیں ہوا کرتی۔ ہاں ایک بات رہ گئی جس کی طرف توجہ دلانا نہایت ضروری ہے اور وہ یہ کہ علماء کا کہنا یہ ہے کہ جہاں دراہم کا ذکر مبہم ہو وہاں عرف کو دیکھا جائے اور جو دراہم زیادہ معروف اور رائج ہوں وہی تصور کئے جائیں۔ انہوں نے نہیں کہا ہے کہ یہ سودا فاسد ہے ان کا یہ کہنا مبہم کو زبان کے عرف سے مخصوص بنانے کے مترادف ہے جو یک گونہ حقیقت کو ترک کرنے کے برابر ہے۔

محقق ابن ہمام نے ''تحریر الاصول'' میں لکھا ہے کہ عملی عرف سے کسی چیز کی تخصیص احناف کے نزدیک تو ہو سکتی ہے مگر شوافع کے نزدیک نہیں جیسے کوئی اپنے اوپر کھانے کو حرام کر دے یعنی یہ قسم کھائے کہ میں کھانا نہیں کھاؤں گا اور وہاں کا عرف گندم کی روٹی کھانے کا ہو تو کھانے سے گندم کی روٹی مراد لی جائے گی اور زیادہ مناسب احناف کی رائے ہے۔ لیکن قولی عرف سے کسی چیز کی تخصیص کے جواز پر تو سب کا اتفاق ہے جیسے سواری سے گدھا مراد لینا یا دراہم سے رائج سکے مراد لینا۔ اس کی تشریح ابن امیر الحاج نے یوں کی ہے کہ قولی عرف یہ ہوتا ہے کہ کسی معاشرے میں کسی چیز کے لئے کسی لفظ کا استعمال اس طرح ہوتا ہو کہ سنتے ہی سننے والے کے ذہن میں وہ چیز آ جائے۔

ہمارے عرف میں عام طور پر خریداری قروش سے ہوتی ہے جو چاندی کے معروف سکے ہیں، کچھ بڑے ہوتے ہیں اور کچھ چھوٹے اور ایک بڑا سکہ دو کے برابر ہوتا ہے اسی طرح کچھ آدھے قرش کے سکے ہیں اور کچھ پاؤ کے سکے ہیں اور ایک قرش چالیس مصریوں کے برابر ہوتا ہے مگر آج کل ان کی قیمت زیادہ ہو گئی ہے اور ایک چھوٹا قرش پچاس مصریوں کے برابر ہوگیا ہے جبکہ بڑا قرش سو مصریوں کے برابر ہو گیا ہے اور لوگوں کا عرف یہ ہے کہ وہ قرش کا مبہم استعمال کرتے ہیں اور قرش سے مراد چالیس مصری لیتے ہیں جیسا کہ اصولاً ابتداء میں تھا مگر متعین مصری مراد نہیں ہوتے بلکہ معاملہ کے وقت قروش کا نام لیتے ہیں اور مقررہ قروش کے اندازے سے کبھی تو مصری سکے ادا کرتے ہیں اور کبھی کوئی دیگر سونے یا چاندی کے سکے، چنانچہ ان کے عرف میں قروش مختلف مالیت والے سکوں میں قیمت کی مقدار معلوم کرنے کی ایک صورت ہے، یہ نہیں کہ قیمت کی صورت اور نوعیت اس سے متعین ہوتی ہو مثلاً کوئی شخص سو قروش سے کپڑا خریدتا ہے اور چالیس مصری فی قرش کے حساب سے قیمت ادا کرتا ہے یا سالم قروش، پونڈ یا سونے کے مختلف سکوں میں فی قرش چالیس مصریوں کے حساب سے

ادائیگی کرتا ہے۔ لوگ عام طور پر ایسا کرتے ہیں اور کوئی بھی یہ نہیں سمجھتا کہ قروش سے خریداری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قروش ہی میں ادائیگی کرنا ضروری ہے تو یہ گویا ایک قسم کا قولی عرف ہے اور اس سے کرنسی کی تخصیص ہو جاتی ہے جیسا کہ ''تحریر الاصول'' سے نقل کر چکا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں نے ''القنیۃ'' میں اس کی نظیر دیکھی وہاں کاروباریوں کے عرف کو شرط کے برابر سمجھنے کے بارے میں علاء الدین ترجمانی کے حوالے سے مثال دی گئی ہے کہ کوئی شخص دس دینار سے کوئی چیز بیچتا ہے اور اس معاشرے کے عرف میں ایک دینار کی جگہ ۵/۶ دینار دیئے جاتے ہوں اور یہ عرف عام طور پر رائج ہو تو اسی عرف کے مطابق معاملات کو قرار دیا جائے گا۔ پھر ''فتاویٰ ابوالفضل کرمانی'' کے حوالے سے کہا ہے کہ اہل خوارزم کا عرف یہ بنا ہوا ہے کہ ایک دینار سے کوئی چیز خریدتے ہیں پھر ۲/۳ محمودی دینار کی ادائیگی کرتے ہیں یا ۲/۳ دینار اور نیشاپوری طسوج کی ادائیگی کرتے ہیں تو کرمانی فرماتے ہیں کہ یہ کم ادائیگی درست ہوگی اور کمی خریدار کے ذمہ واجب نہ رہے گی۔ پیش نظر مسئلے میں یہ چیز اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے لئے ایک فقہی سند کی حیثیت رکھتی ہے لہٰذا دورِ حاضر کا عرف اس صورت کی طرح ہے جس میں سکے رواج اور مالیت میں برابر ہوں اور خریدار کو اختیار حاصل ہو کہ وہ جس رائج سکے میں چاہے ادائیگی کرے بیچنے والے کو منظور ہو یا نہ ہو پھر یہ بھی معلوم رہے کہ ہمارے دور میں حکومت نے کئی بار رائج کرنسی کی قیمت کم کر دی اور اس بارے میں مختلف فتوے سامنے آئے لیکن جس پر آج کل فیصلے ہو رہے ہیں وہ یہ ہے کہ سودا اگر متعین کرنسی سے ہوا ہو تو وہی کرنسی دینی ہوگی جیسے سو انگریزی پونڈ یا سو سونے کے پرانے سکے سے خریداری کی اور متعین کرنسی سے اگر خریداری نہیں کی تو معاملے کے دن والی قیمت کے حساب سے کسی بھی کرنسی میں ادائیگی کر سکتا ہے اور جیسا اختیار اسے سودے کے وقت حاصل رہتا ہے ویسا ہی اختیار اسے ادائیگی کے وقت بھی حاصل رہتا ہے مگر پہلی صورت زیادہ بہتر ہے چاہے سودا کی صورت ہو اور چاہے قرض کی۔ جبکہ دوسری صورت میں بیچنے والے کو واضح نقصان پہنچتا ہے کیوں کہ جس کی قیمت کم کر دی گئی ہو وہ مختلف ہوگی کسی کی قیمت میں زیادہ کمی کر دی گئی ہوگی اور کسی کی قیمت میں کم چنانچہ خریدار تو اس کو اپنائے گا جس کی قیمت میں زیادہ کمی کر دی گئی ہو اور ادائیگی اسی کرنسی میں کرے گا بلکہ بعض دفعہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اسی کرنسی کے حساب سے دوسری ایسی کرنسی میں ادائیگی کرنا چاہے جس کی قیمت میں تھوڑی کمی کی گئی ہوگی۔ چنانچہ کوئی کرنسی ایک قرش کم ہو جاتی ہے اور کوئی دو قرش اور خریدار وہ کرنسی دے جو دو قروش کم کی گئی ہو اور اگر بالفرض وہ کرنسی دے جو ایک قرش کم ہوئی ہو تو حساب میں دو قرش کم والے کو سامنے رکھ کر ایک قرش مزید ڈالے حالانکہ اس کے

ناجائز ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں۔

میں نے اس بارے میں جب اپنے استاد سے پوچھا جو عصر حاضر کے ایک بڑے عالم، فقیہ اور پرہیزگار شخص ہیں تو انہوں نے پرعزم انداز میں فرمایا کہ ایسی صورت میں خریدار کو کوئی اختیار نہیں اس لئے کہ آپ جانتے ہیں کہ بیچنے والے کو اس سے نقصان پہنچتا ہے اور انہوں نے ایسی صورت میں باہمی سمجھوتے کا فتویٰ دیا تاکہ کسی فریق کو نقصان نہ ہو۔ اور خریدار کو سودے کے وقت بے شک اختیار حاصل رہتا ہے کیوں کہ اگر ایک جیسی کرنسی میں سودا ہو اور بیچنے والا انکار کرے تو یہ اس کی ضد سمجھی جائے گی مگر یہاں تو اسے نقصان پہنچتا ہے۔ خصوصاً جب بیچی جانے والی چیز یتیم کی ملکیت یا وقف مال ہو کیونکہ اس کے مفاد کو ملحوظ نہ رکھنا خلاف اصول ہوتا ہے۔ اس لئے باہمی سمجھوتہ کرنا زیادہ محتاط ہے۔ یہ مسئلہ چونکہ صریح اور واضح طور پر کہیں حل نہیں ہوا ہے، اس لئے کہ واضح طور پر مذکور تو صرف فلوس اور زیادہ کھوٹ والے دراہم کا مسئلہ ہے، لہذا ایسی کرنسیوں کے بارے میں تحقیق کر لینی چاہیے جن کی قیمت کم کر دی گئی ہو اور ایسی کرنسی ادا کرنی چاہیے جس کی قیمت میں بہت زیادہ کمی بھی نہ کی گئی ہو اور بہت کم کمی بھی نہیں بلکہ ان دونوں کااوسط ادا کرنا چاہیے تاکہ کسی بھی فریق کو نقصان نہ ہو۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ عصر حاضر کے کچھ مفتیوں نے یہ فتوے دیئے ہیں کہ ادائیگی کے وقت والے ریٹ کو مدِنظر رکھ کر ادائیگی کی جائے اور معاملے کے وقت والے ریٹ کو نہ دیکھا جائے حالانکہ ظاہر ہے کہ اس طرح خریدار کو نقصان ہوتا ہے۔ یہ اعتراض صحیح نہ ہوگا کہ آپ کا یہ کہنا تو آپ کے دیئے ہوئے حوالے کے مطابق حاشیہ ابوالسعود کی بات سے ٹکراتا ہے کہ کم کھوٹ والے یا خالص دراہم کی صورت میں وہی کرنسی دینی ہوگی اور کسی بھی فریق کو دوسرا اختیار بالاتفاق حاصل نہیں کیوں کہ ہم کہتے ہیں کہ یہ اس صورت کے لئے ہے جب کسی متعین کرنسی سے معاملہ کیا گیا ہو مثلاً پونڈ سے خریداری کی گئی ہو اور جیسا کہ بتا چکا ہوں کہ یہ تو بالکل واضح ہے اور اس پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن ابہام اور شبہ تو اس بارے میں ہے کہ لوگ خریداری قروش سے کریں اور ان کی قیمت کے حساب سے وہ ادائیگی دوسری کرنسیوں میں کریں۔ کیوں کہ ایسی صورت میں کوئی متعین چیز نہیں جو مستقل طور پر رہے خواہ ان کی قیمت کم ہو جائے اور خواہ زیادہ ہو جائے۔ ابھی جو بتایا گیا کہ کچھ مفتیوں نے یہ فتوے دیئے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عصر حاضر کے قروش سے تو محض ثمن کی مقدار کا معلوم ہونا مقصود ہوتا ہے۔ قروش کی نوعیت اور جنسیت مقصود نہیں ہوتی چنانچہ کوئی شخص اگر سو قروش سے کوئی چیز فروخت کرے اور قروش کی قیمت کم ہونے کے بعد خریدار اسے اتنے پونڈ یا اشرفیوں میں ادائیگی

کرے جن کی قیمت نوے قروش رہ جاتی ہو تو بیچنے والے کو اتنی مقدار حاصل نہیں ہوگی جس کا اس نے تخمینہ لگایا ہوگا اور اس پر رضامندی ظاہر کی ہوگی مگر یوں بھی کہا جا رہا ہے کہ سودا کرتے وقت جب بیچنے والا اس پر راضی ہو کہ قروش کی بجائے دیگر کسی بھی کرنسی میں ادائیگی ہو تو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سودا تمام کرنسیوں میں طے ہو۔ اب اگر کرنسی سستی ہوئی تو اسی معیار پر اسے راضی ہونا پڑے گا جس پر اس نے سودا کیا ہو اور سمجھوتے کو تو ہم نے اس لئے تجویز کیا ہے کہ سب کرنسیاں ایک ہی شرح سے سستی نہیں ہوتیں اور اس میں نقصان دینے کی نیت پائی جاتی ہے جبکہ نقصان دینے کو حدیث میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اگر سب کرنسیاں یکساں شرح سے سستی ہوں تو پھر ہم یہ نہیں کہیں گے بلکہ ہم کہیں گے کہ سودے کے وقت والے معیار کو اپنایا جائے مثلاً جس پونڈ کی قیمت پہلے سو قروش تھی اور اب وہ نوے قروش رہ گئی یا مثلاً دیگر کرنسیاں ہوں مگر جہاں کسی کرنسی کی قیمت مثلاً سو قروش ہو اور اب اس کی قیمت گھٹ کر نوے قروش رہ گئی اور دوسری کرنسی کی قیمت سو قروش سے گھٹ کر پچانوے قروش رہ گئی اور تیسری کرنسی کی قیمت سو قروش سے گھٹ کر اٹھانوے قروش رہ گئی تو اب اگر ہم بیچنے والے کو پہلی والی کرنسی کے لینے پر مجبور کریں تو اسے نقصان ہوگا اور اگر خریدار کو تیسری کرنسی کی ادائیگی پر مجبور کریں تو اسے نقصان ہوگا لہذا مناسب یہ ہے کہ متوسط اور درمیانی کرنسی پر سمجھوتہ ہو جائے۔ میرے ناقص فہم کی رسائی تو یہاں تک ہو سکی ہے اور بہتر اللہ ہی جانتا ہے اور ظاہر اور پوشیدہ کا علم بھی اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اس کے سوا نہ تو کوئی رب ہے اور نہ اس کے سوا کسی سے خیر کی اُمید کی جا سکتی ہے۔ اوّل سے آخر تک اور ظاہر سے باطن تک سب تعریفات اللہ تعالیٰ کے لئے محدود و مخصوص ہیں اور درود و سلام ہو حضرت محمد ﷺ اور ان کے آل و اصحاب پر۔

اس رسالے کی تحریر سے ۱۲۳۰ھ میں فارغ ہوا ہوں۔

ادارہ تحقیقات اسلامی کی ایک عظیم فقہی کتاب

مجموعہ قوانین اسلام

مولف ۔ جسٹس (ریٹائرڈ) ڈاکٹر تنزیل الرحمن

جلد اول تا ششم

جلد اولؔ : قوانین نکاح، مہر، نفقہ زوجہ جلد دوم : قوانین طلاق، خلع و برات، تفریق وعدت
جلد سوم : قوانین نسب اولاد و حضانت، نفقہ اولاد و آبا و اجداد، ہبہ اور وقف
جلد چہارم : قانون و احکام وصیت جلد پنجم : قانون وراثت جلد ششم : قانون شفعہ

اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ فاضل مصنف نے اس میں کسی خاص اسلامی طبقے یا فرقے کی رائے کا پروپیگنڈہ نہیں کیا ہے بلکہ ہر مسئلہ پر مختلف پہلوؤں اور گوشوں سے غور کیا ہے۔ فقہاء کی مختلف آراء بیان کرنے کے بعد انہوں نے اپنی رائے کا بھی بڑی خوش اسلوبی سے اظہار کیا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت پر ادارہ تحقیقات اسلامی اور جناب تنزیل الرحمن صاحب دونوں مبارکباد کے مستحق ہیں۔ (جناب جسٹس ریٹائرڈ وحیدالدین احمد)

مجلد قیمت فی جلد 175.00 روپے مکمل سیٹ 1050.00 روپے

ملنے کا پتہ:۔ ڈپٹی ڈائریکٹر مطبوعات ادارہ تحقیقات اسلامی (بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی)
پوسٹ بکس نمبر 1035۔ اسلام آباد 44000 ۔ فون نمبر 254874